© rasailojaraid.com

تحقیق و تنقید

خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ

(فاروق اعظمؓ کی بے مثال راہنمائی)

ڈاکٹر محمد ذکی

اسلام کے سیاسی نظام کی اساس خلافت پر ہے یعنی اسلامی قوانین کو نافذ کرنے اور امت کے امور کی نگرانی اور اس کی رہنمائی کرنے کے لئے ایک امیر کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ بتاتی ہے کہ انتہائی نازک لمحات میں بھی مسلمانوں نے اس کے تقاضے پورے کئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کی ذمہ داریاں حضرت ابو بکرؓ نے سنبھالیں صدیق اکبرؓ کے بعد یہ کام حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد ہوا۔ انھوں نے جس حسن و خوبی کے ساتھ یہ کام انجام دیا وہ دنیا پر روشن ہے۔

فاروق اعظمؓ کے شاندار کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے خلیفہ کے انتخاب کا ایک نہایت عمدہ اور مناسب حال طریقہ بنا دیا، اس پر جس طرح عمل درآمد ہوا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے، اور آج بھی ہمارے لئے مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔

فاروق اعظم اور مسئلہ خلافت

یوں تو اپنے عہد ہی میں حضرت عمرؓ اس مسئلہ پر اکثر سوچتے رہتے تھے کہ ان کے بعد خلافت کا بارِ گراں کون اٹھا سکے گا۔ اس سلسلہ میں کئی حضرات پر نظر پڑتی تھی لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر آپ کسی کے حق میں قطعی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے[1] لیکن جب ایک مجوسی غلام فیروز (جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی) نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا اور سب سمجھ گئے کہ آپ جاں بر نہ ہو سکیں گے تو لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ خلافت کے مسئلہ کو طے کر دیں۔

---

[1] علامہ شبلی، الفاروق، ۱۲۸، ۱۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامزد کرنے کے بارے میں فاروق اعظم کی رائے

طبری کی روایت ہے کہ جب آپ سے کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کردیں تو آپ نے فرمایا: میں کس کو خلیفہ مقرر کردوں؟ اگر ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ مقرر کرتا۔ اگر میرا پروردگار (قیامت کے دن) مجھ سے بازپرس کرتا تو میں جواب دیتا "میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ابوعبیدہ اس امت کے امین ہیں۔

اگر ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ مقرر کرسکتا تھا۔ اگر میرا رب ان کے بارے میں سوال کرتا تو میں عرض کرتا: میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ سالم اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

پھر کسی نے آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کا نام پیش کیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ میں کیسے اس شخص کو خلیفہ بنا سکتا ہوں جو اپنی بیوی کو (صحیح اور شرعی) طریقہ سے طلاق دینے سے عاجز رہا ہو۔ ہمارے خاندان کا تمہارے (سیاسی) کاموں سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ میں نے خود اپنے لئے یہ منصب پسند نہیں کیا جو میں اپنے خاندان کے کسی فرد کے لئے اس کی تمنا کروں گا۔ اگر یہ خلافت اچھی ہے تو ہم نے اس (کی خیر و برکت) حاصل کرلی ہے اور اگر یہ بری ہے تو عمر کے خاندان کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کے ایک فرد سے اس کا محاسبہ ہو اور صرف اسی سے امت محمدی کے کاموں میں جواب طلب کیا جائے ..... مزید فرمایا میں اگر کسی کو خلیفہ نامزد کردوں تو (بھی میرے لئے صحیح ہوگا اس لئے کہ) مجھ سے بہتر شخصیت (ابوبکرؓ) نے خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر میں کسی کو نامزد نہ کردوں تو (بھی غلط نہ ہوگا اس لئے کہ) مجھ سے بہتر شخصیت (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔[1]

مجلس شوریٰ کی تشکیل

بہرحال اس وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے یہ طے کیا کہ چھ اشخاص

---

[1] تاریخ طبری (اردو ترجمہ، سید رشید احمد، کراچی) ج ۳، ص ۲۸۸ – ۲۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپس میں مشورہ کر کے ایک کو خلیفہ مقرر کریں سات چھ حضرات کے نام یہ ہیں: عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، زبیرؓ بن العوام اور طلحہؓ بن عبید اللہ۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ تمام حضرات خلافت کے اہل تھے اور اس کی وجوہ خود انھوں نے ہی بیان فرمادی تھیں، جو یہ ہیں:۔

(۱) یہ سب حضرات عشرۂ مبشرہ میں شامل تھے، یعنی جنھیں اسی دنیا میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔

(۲) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زندگی بھر خوش اور مطمئن رہے۔

(۳) ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق تھا۔

(۴) یہ اس وقت امت مسلمہ کے سردار اور رہنما تھے[۱]۔

عمل درآمد کی صورت

آپ نے تاکید فرمائی کہ میری موت کے بعد اس مشورہ پر عمل درآمد شروع ہو۔ تین دن کے اندر اندر فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ حضرت طلحہؓ اس وقت مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر تین دن کے اندر آجائیں تو مشورہ میں شریک ہوں گے ورنہ ان کا انتظار نہ کیا جائے۔ اس دوران حضرت صہیبؓ نماز میں امامت کرتے رہیں گے۔ حضرت ابو طلحہؓ انصاری کے سپرد یہ کام کیا کہ پچاس انصار کو لے کر مجلس شوریٰ کو آمادہ کریں کہ وہ کارروائی شروع کردیں، اور پہرہ دیتے رہیں اور کسی کو اندر نہ جانے دیں، اور ان سے ملنے نہ دیں۔ حضرت مقدادؓ بن اسود اور صہیبؓ بھی اس کام میں مدد کریں[۲]۔

اختلاف رائے کی صورت میں فیصلہ کس طرح ہو؟

حضرت عمرؓ اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ انتخاب کے معاملہ میں اختلاف رائے کا امکان تھا اس کا انتظام یہ کیا کہ:

---

[۱] طبری ۲۲۱۰، ۲۷۶۶-۲۹۰ [۲] طبری ۲۷۴۳، ۲۹۱ - ۲۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کو شریک مجلس کردیا کہ وہ مشورہ دے سکیں لیکن وہ خلیفہ نہیں بنائے جائیں گے۔ (۲) فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوگا۔ (۳) اگر پانچ متفق ہو کر ایک شخص کا انتخاب کریں اور ایک شخص مخالف ہو تو اس کا سر تلوار سے قلم کردیا جائے گا۔ (۴) اگر چار متفق ہوں اور دو مخالف ہوں تو دونوں کی گردنیں اڑادی جائیں گی۔ (۵) اگر تین افراد ایک شخص کے انتخاب پر متفق ہوں اور تین افراد دوسرے شخص پر متفق ہوں تو عبداللہ بن عمرؓ فیصلہ ثالث ہیں جس کے حق میں یہ فیصلہ کردیں وہی منتخب کرلیا جائے لیکن اگر ان کے فیصلہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر ان افراد کی حمایت کی جائے جن میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ شامل ہوں اور باقی مخالفین کو قتل کردیا جائے جو ان کے فیصلہ سے انحراف کریں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا طریقۂ کار

حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد فوراً کارروائی شروع ہوگئی حضرت طلحہؓ موجود نہیں تھے۔ باقی حضرات کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو ایک اعتبار سے کمیٹی کے کنوینر تھے جمع کیا۔ اس موقع پر جو افتتاحی تقریر انھوں نے کی وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا:

"اے لوگو! میری ایک رائے ہے تم اسے سنو۔ اس پر غور کرکے جواب دو۔ تم یہ بات سمجھو کہ ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ ناخوشگوار شیریں شربت سے بہتر ہے۔ تم لوگ رہنما اور پیشوا ہو۔ عوام تمہارے ذریعہ سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور تمہارے علمی مرکزوں میں آتے ہیں۔ تم باہمی اختلاف سے اپنی حالت خراب نہ کرو اور اپنے دشمن کے مقابلے میں اپنی تلواریں نیام میں نہ رکھو (دشمن سے مقابلہ کرنے کے بجائے باہمی اختلاف میں نہ پڑجاؤ) ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ ہر قوم و ملت کا ایک سربراہ ہوتا ہے جس کے حکم کو سب تسلیم کرتے ہیں اور اس کے منع کرنے پر کسی کام سے باز آجاتے ہیں۔

تم اپنی جماعت میں سے کسی ایک کو اپنا سربراہ بناؤ، تم امن وامان میں رہوگے اور اندھا دھند فتنہ وفساد اور حیران کن گمراہی سے محفوظ رہوگے۔ بدنظمی اور انتشار سے بچے رہوگے۔ تم ذاتی اور نفسانی خواہشات سے پرہیز کرو اور ناانصافی اور تفرقہ اندازی کی زبان نہ استعمال کرو دیکھو کہ زبان کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ تم رواداری اور کشادہ دلی سے گفت وشنید کرو اور باہمی رضامندی سے کوئی فیصلہ کرو۔ کسی فتنہ پرداز کی باتوں سے متاثر نہ ہوجاؤ اور کسی مخلص رہنما کی مخالفت

ل؎ ایضاً، ۴۴۲، ۲۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کرد یں اپنی اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ اور اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے مغفرت کا طالب ہوں۔
اس پر مغز اور دل نشین تقریر کے جواب میں حضرت عثمانؓ، زبیرؓ اور سعدؓ نے اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ البتہ طبری کے الفاظ میں حضرت علیؓ نے اپنا ردّعمل ذرا "محتاط" الفاظ میں ظاہر کیا۔[1]
اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ تجویز پیش کی تم میں سے کون اس بات کے لیے برضاو رغبت تیار ہے کہ اپنے حق (یا امیدواری) سے دست بردار ہو جائے اور پھر اس کو یہ حق حاصل ہو جائے کہ جسے وہ مناسب سمجھے خلیفہ بنا دے۔
یہ ایک لاجواب تجویز تھی۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے سے اندازہ ہوگا کہ اس میں کتنی عمیق حکمتیں تھیں۔
اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ اس وقت خلافت کے پانچ امیدوار تھے — حضرات عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان میں سے کوئی بھی خلیفہ منتخب ہو سکتا تھا اور ہر ایک کا ایک نہ ایک حامی مجلس میں موجود تھا۔ اب ان میں سے ہر ایک کو یہ موقع مل رہا تھا کہ وہ خود اپنی امیدواری سے دست بردار ہو کر اپنے کسی بھی آدمی کو منتخب کر سکتا تھا، مثلاً حضرت عثمانؓ خود دست بردار ہو کر اپنے اعتماد کے کسی بھی قریبی فرد کو خلافت سونپ سکتے تھے وہ چاہے عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں یا کوئی اور۔ اسی طرح حضرت زبیرؓ آگے بڑھ کر حضرت علیؓ کو خلافت سونپ سکتے تھے، یا حضرت علیؓ چاہتے تو حضرت زبیرؓ کو بڑی آسانی سے خلیفہ بنا سکتے تھے۔ یہ موقعہ حضرت سعدؓ کو بھی مل سکتا تھا۔ اس طرح خلافت اپنے خاندان میں آسکتی تھی اور ہونے والا خلیفہ اس کا ضرور خیال رکھتا جو اس قربانی کو پیش کرتا۔ لیکن اس "سنہری موقعہ" سے فائدہ اٹھانے کے لئے کوئی تیار نہ ہوا۔ سب خاموش رہے۔ کیوں؟
وجہ ظاہر ہے۔ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنا یقیناً ایک بہت مشکل کام تھا لیکن کسی کو خلیفہ

---

[1] طبری ۳۰۲/۶ — جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم خلافت کے مستحق ہیں، یہ حق ہمیں نہ دیا گیا تو ہم یہاں سے کہیں دور چلے جائیں گے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے کوئی معاہدہ کیا ہوتا تو ہم اسے ہر حال میں نافذ کرتے۔ آپ نے خبردار کیا کہ ہو سکتا ہے عنقریب حالات بگڑ جائیں اور تلواریں بے نیام ہو جائیں۔ (طبری ۳۰۶/۶) نہیں کہا جا سکتا ان الفاظ کا انتساب کہاں تک درست ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنانا اس سے کہیں زیادہ مشکل اور نازک معاملہ تھا کیونکہ:

(۱) اگر کوئی رشتہ یا تعلق کی بنا پر بے جا طرفداری سے کام لیتے ہوئے کسی کو منتخب کرتا تو اس کا وبال اسی کی گردن پر ہوتا۔ اس لئے ان بلند اور پاک سیرت والی شخصیات کے بارے میں جانب داری کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) خود کو خلافت کی امیدواری سے الگ کر کے پوری نیک نیتی کے ساتھ کسی کو یہ منصب سپرد کیا جاتا تو بھی غلطی کا احتمال تھا اس لئے کہ مستقبل کی ضمانت کوئی شخص نہیں لے سکتا تھا۔

اب داد دیجئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو جنھوں نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خود کو اس کے لئے پیش کر دیا۔

سب کو یقین ہو گیا کہ جب ایک شخص اتنی بڑی قربانی دے رہا ہے، اپنی مرضی سے خود کو خلافت سے محروم کر رہا ہے۔ تو وہ کسی دوسرے کو ناحق کیوں خلافت سپرد کرے گا؟ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

میں سب سے پہلے آپ کی اس کوشش میں آپ کی تائید کرتا ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "جو اس سرزمین کا امین ہے وہ آسمان کا بھی امین ہے۔" باقی لوگوں نے کہا "ہم سب (آپ کو مختار بنانے پر) رضامند ہیں"۔

اور دنیا پر یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ حضرت عبدالرحمٰن نے بھی کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں حضرت علیؓ پر جنھوں نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے فرمایا:

آپ مجھ سے پختہ عہد کریں کہ آپ حق وصداقت کو ترجیح دیں گے اور نفسانی خواہش کی پیروی نہیں کریں گے اور کسی رشتہ دار کے ساتھ رعایت نہیں کریں گے اور قوم کے ساتھ (خیر خواہی کرنے میں) کوتاہی نہیں کریں گے۔"

حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا "تم سب بھی پختہ عہد کرو کہ تم سب مخالف اور تبدیل ہونے والے کے مقابلے میں میرا ساتھ دو گے اور تمہارے لئے جس شخص کا (خلیفہ کی حیثیت سے) میں انتخاب کروں گا تم اس کو تسلیم کرو گے میں بھی اللہ سے عہد مستحکم کرتا ہوں کہ میں کسی رشتہ دار سے اس کی رشتہ داری کی وجہ سے رعایت نہیں کروں گا اور نہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے میں کوتاہی کروں گا۔"[1]

---

[1] ایضاً ۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر حضرت علیؓ کو حضرت عبدالرحمنؓ کی امانت، دیانت اور خلوص پر پختہ یقین نہ ہوتا اور بال برابر بھی شک ہوتا تو ان کے ساتھ تعاون اور ان کی حمایت کا پختہ عہد نہ فرماتے۔[1]

طریقۂ انتخاب

حضرت عبدالرحمنؓ کی دست برداری کے بعد اب میدان میں کل چار امیدوار رہ گئے ان میں حضرت عبدالرحمنؓ کو یہ تحقیق کرنا تھا کہ کس کو اکثریت کی حمایت حاصل ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ کس کے حق میں ووٹ زیادہ ہیں۔

اس کے لئے انھوں نے تنہائی میں حضرت علیؓ سے کہا کہ بلاشبہ اسلام کے لئے آپ کی بہت خدمات ہیں اور آپ خود کو سب سے زیادہ مستحق خلافت بھی سمجھتے ہیں تاہم اگر آپ کو خلافت نہ ملے تو پھر آپ کس کو زیادہ حق دار سمجھتے ہیں۔ انھوں نے کہا حضرت عثمانؓ کو۔

اسی سوال کا تنہائی میں حضرت عثمان نے یہ جواب دیا کہ وہ حضرت علیؓ کو حق دار سمجھتے ہیں۔

جب یہی سوال حضرت زبیرؓ اور سعدؓ سے کیا گیا تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کا نام لیا۔[2]

اس روایت کی رو سے اب ووٹوں کا شمار یوں کیا جاسکتا ہے کہ ہر ایک کا ایک ووٹ تو اپنے اپنے حق میں مان لیا جائے گا اس لئے اس کا شمار نہ کیا جائے۔ اب دوسرے نمبر کے ترجیحی ووٹ رہ گئے۔

حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ کے تین ترجیحی ووٹ حضرت عثمانؓ کے حق میں گئے اور صرف حضرت عثمانؓ کا ایک ووٹ حضرت علیؓ کے حق میں گیا۔

اس اعتبار سے مجلس شوریٰ کی اکثریت حضرت عثمانؓ کے حق میں تھی اور یہی عبدالرحمنؓ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے انھیں بھی اکثریت کے رجحان پر فیصلہ کرنا تھا، اب بات واضح ہو چکی تھی۔ فرض کیجئے اگر وہ اپنا ووٹ حضرت علیؓ کے حق میں استعمال کر بھی لیتے تو حضرت علیؓ کے حق میں دو اور عثمانؓ کے حق میں تین رہتے۔ یہاں تک کہ اگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی عبدالرحمن بن عوفؓ کا ساتھ دیتے ہوئے حضرت علیؓ کے حق میں ووٹ دے دیتے تو بھی دونوں کے ووٹ برابر ہو جاتے اور

---

[1] اب بھی اگر کوئی بدباطن حضرت عبدالرحمنؓ کی نیک نیتی پر شبہ کرتا ہے تو کرتا رہے وہ حضرت علیؓ سے زیادہ معاملہ فہم نہیں ہوسکتا۔ [2] ایضاً ۲۹۵۔۲۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس صورت میں فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے دائرہ کو ذرا وسیع کیا اور مجلس سے باہر لوگوں کی رائے معلوم کرنا چاہی چنانچہ طبری (۲۹۶) کا بیان ہے :

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان راتوں میں گشت کرتے رہے۔ وہ صحابۂ کرام اور ان سپہ سالاروں اور معزز افراد سے ملاقاتیں کرتے رہے جو اس وقت مدینۂ منورہ میں موجود تھے اور ان سے (خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں) مشورہ کرتے رہے۔ وہ تنہائی میں جب کسی سے ملے اس نے یا تو حضرت عثمان (کے خلیفہ ہونے) کی تائید کی، یا حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ عبدالرحمٰنؓ نے خود حضرات علیؓ و عثمانؓ سے کہا کہ میں نے دوسرے لوگوں سے معلوم کیا تو انھوں نے تم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نام نہیں پیش کیا۔ پھر مجمع کو خطاب کرکے بھی یہی بات دہرائی کہ تم ان دو میں سے ایک کے حامی نظر آتے ہو یعنی کچھ علیؓ کے کچھ عثمانؓ کے۔ لیکن اس تحقیق سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت عثمان کو ترجیح دے رہی ہے۔

اپنے فیصلہ کا اعلان کرنے سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے سوال کیا:

"اے علیؓ! کیا تم میرے سامنے کتاب اللہ، سنت نبویؐ اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقے پر چلنے کا عہد کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: "نہیں۔ بلکہ میں اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق عمل کروں گا"۔

اسی سوال کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے کہا: "ہاں"

اس کے بعد مسجد نبوی میں عام مسلمین کا اجتماع ہوا، اس میں بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دونوں حضرات کے سامنے اس سوال کو دہرایا اور دونوں نے یہی جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور پھر سب نے بیعت کی[1]۔ یہ تیسرا اور مقررہ مدت کا آخری دن تھا۔ اسی دن طلحہؓ بھی آ گئے۔ معلوم ہوا لوگوں نے بیعت کرلی ہے تو انھوں نے بھی اختلاف نہیں کیا اور بیعت کرلی[2]۔

اس طرح امت مسلمہ اختلافات، خانہ جنگی اور باہمی خونریزیوں سے بچ گئی۔

اس طریقہ کی جامعیت

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا لیکن صحابہؓ پر یہ بات

[1] طبری ۳۰۸، ۳۰۹-۳۰۸، ۳۱۰ [2] طبری ۳۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی پوشیدہ نہیں تھی کہ آپ کا رجحان کس کی طرف تھا، یوں تو اس سلسلہ میں بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں لیکن بخاری کی یہ حدیث کہ: آپ عبداللہ بن ابوبکر کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے[1]۔ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ پھر آخری ایام میں بہ اصرار صدیق اکبرؓ ہی کو امام بنایا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اعتبار سے آپ نے اپنا جانشین مقرر بھی فرما دیا لیکن بالکل واضح طور پر نہیں۔ اس میں بے شمار حکمتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اس وقت کے ماحول میں صدیق اکبرؓ افضل ترین صحابی تھے اور ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی اس کا علم حاصل تھا کہ کون آپ کا جانشین ہوگا۔ یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ اگر آپ بالکل واضح الفاظ میں اپنا خلیفہ نامزد فرما دیتے تو پھر اختلاف رائے کے سنگین نتائج نکل سکتے تھے۔ نیز اپنا جانشین مقرر کرنا سنت بن جاتا جس کا غلط استعمال ہو سکتا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت بھی صورت حال کچھ ایسی ہی تھی۔ اس وقت فاروق اعظمؓ کی شخصیت سب میں نمایاں تھی۔ یہاں صدیق اکبرؓ کو مستقبل کے بارے میں یقینی علم نہیں تھا۔ امکان اس بات کا بھی تھا فاروق اعظمؓ کے بارے میں کچھ لوگ اختلاف کرتے، یا خود حضرت فاروقؓ خلافت سے انکار کر کے الگ ہو جاتے اور پھر دنیائے اسلام ایک بہترین شخص کی خدمات سے محروم ہو جاتی اس لئے فاروق اعظمؓ کو نامزد کر دینا مناسب اور ضروری سمجھا گیا۔

فاروق اعظم کے زمانے میں حالات بدل گئے تھے۔ اگرچہ متعدد صحابہ موجود تھے جن میں خلافت کی اہلیت تھی لیکن اوّل تو فاروق اعظمؓ ساری ذمہ داری اپنے سر نہیں لینا چاہتے تھے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا، پھر بھی انھوں نے دونوں طریقوں کو جمع کر دیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں نامزد بھی نہیں کیا اور صدیق اکبرؓ کی اتباع کرتے ہوئے نامزد بھی کر دیا لیکن ایک فرد کو نہیں ایک مختصر جماعت کو — یہ صورت دونوں طریقوں کی جامع تھی۔ اس وقت کے حالات اس کا تقاضا کر رہے تھے۔ اس وقت ایک سے زیادہ ایسے اشخاص موجود تھے جن میں خلافت کی اہلیت تھی، اور یہ جو اپنی سیرت، تقویٰ اور خدمات کی بنا پر مسلمانوں کی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ اگر ان سب کو آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ آپس میں جس طرح ہو سکے معاملہ طے کر لیں تو اختلاف اور تصادم کا اندیشہ تھا۔ اس کا اندازہ اس سے

---

[1] ملاحظہ ہو، شبلی، سیرت النبی ج ۱، حاشیہ زیریں ۲، ۱۶۲۔ اس مضمون کی دیگر روایات حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں جمع کر دی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم کی تدفین کو ابھی تین دن نہیں گزرے ہیں، خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ مجلس شوریٰ کے سپرد ہے، کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں عبدالرحمٰن ابن عوف اپنا فیصلہ سنانے کے لئے موجود ہیں اور ابھی اتنا ہی کہہ پائے ہیں کہ :۔

"اے لوگو! باہر آئے ہوئے لوگ اپنے شہروں کی طرف واپس ہونا چاہتے ہیں مگر وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کا امیر (خلیفہ) کون ہوگا؟" ــــ کہ سعید بن زید رضؓ بولے "ہم آپ کو اس کا حق دار سمجھتے ہیں"۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے کہا: تم کسی دوسرے کا نام پیش کرو۔ حضرت عمار رضؓ نے حضرت علی رضؓ کا نام پیش کیا، مقداد رضؓ نے ان کی تائید کی۔ ابن ابی سرح نے حضرت عثمان رضؓ کا نام تجویز کیا، عبداللہ بن ابی ربیع نے ان کی تائید کی، اور پھر ان حامیوں میں تکرار اور تلخ کلامی ہونے لگی۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ آپس میں الجھنے لگے۔ قریب تھا کہ حالات بگڑ جانے کہ اتنے میں سعد بن ابی وقاص رضؓ نے کہا:

"اے عبدالرحمٰن! آپ جلد فیصلہ کریں اس سے پہلے کہ لوگ فتنہ و فساد میں مبتلا ہوں"۔ انھوں نے کہا: "میں نے خوب غور و فکر کیا ہے اور لوگوں سے مشورہ بھی کر لیا ہے۔ اس لئے تم لوگ دخل نہ دو"۔ اور پھر نام کا اعلان کر کے اس فتنہ کو دبا دیا۔[1]

کیا یہ طریقۂ انتخاب جمہوریت کے منافی ہے؟

جمہوریت میں حزب مخالف کا وجود نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ اس کے وجود کو جمہوریت کی روح تصور کیا جاتا ہے لیکن فاروق اعظم رضؓ کا رویہ اس معاملہ میں سخت نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے تو کیا یہ رویہ جمہوریت کے منافی نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک اختلاف رائے کا تعلق ہے اسلام نے کبھی اس کو ناجائز نہیں کہا بشرطیکہ نیک نیتی کے ساتھ ہو۔ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی اختلاف رائے ہوتا رہا اور اس پر کبھی پابندی نہیں لگائی گئی۔ البتہ اسلام نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ اختلاف رائے کو بنیاد بنا کر امت مسلمہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں، اور اس کے لیڈروں کے درمیان اقتدار کی کشمکش برپا ہو جائے۔

یہی وہ مذموم اختلاف ہے جس کی حضرت فاروق اعظم رضؓ نے اجازت نہیں دی، اور اس رجحان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

---

[1] طبری ۲۹۸، ۲۹۸ ــ ۲۹۹

© rasailojaraid.com